عصمت نبی اکرم ﷺ

سید مزمل حسین نقوی[1]
muzammilhussainnaqvi5@gmail.com

کلیدی کلمات: عصمت، علم کلام، عقلی قباحت، مخلص،

خلاصہ

بلاشک وشبہ انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کی تربیت کرنا ہے۔ تربیت اس وقت موثر ہو سکتی ہے جب مربی پسندیدہ صفات کا حامل ہو۔ اس کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انبیاء بعثت کے بعد یا بعثت سے پہلے اپنی پوری زندگی میں گناہوں سے دور رہیں، کیونکہ اگر کسی شخص نے اپنی عمر کا تھوڑا سا حصہ بھی گناہوں میں گزارا ہو تو ایسا شخص لوگوں کو اپنے قول وفعل سے متاثر نہیں کر سکتا۔ جب لوگ اس سے متاثر نہیں ہوں گے تو اس کے آنے کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ اس عقلی دلیل کے علاوہ بہت سی آیات بھی انبیاء کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن انبیاء کو مخلص کہتا ہے۔ یعنی اللہ کے خالص بندے جنہیں شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ عصمت انبیاء پر روائی دلائل بھی موجود ہیں۔ اس مقالے کا موضوع عصمت رسول ﷺ ہے اور اس میں ان آیات کی درست تفسیر اور تاویل پیش کی گئی ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاذاللہ آپ سے کوئی خطا اور خلافِ عصمت فعل سرزد ہوا۔

تعارف

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد انسانوں کی تربیت اور ان کی رہنمائی ہے۔ تربیت اس وقت موثر ہو سکتی ہے جب مربی ایسی صفات کا حامل ہو جو پسندیدہ ہوں۔ اس کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر اس کی تمام تر رہنمائی بیکار ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی ڈاکٹر شراب کے نقصانات پر زور دیتا ہو اور لوگوں کو اس کے پینے سے منع کرتا ہو، لیکن خود شراب پیتا ہو تو شراب کے خلاف اس کی تمام تحریریں اور تقریریں بے کار جائیں گی۔ اس طرح اگر دینی رہبر خود گناہ کرتا ہو تو دوسرے کیسے اس کی بات مان سکتے ہیں۔ لہٰذا انبیائے کرام کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعثت کے بعد یا بعثت سے پہلے اپنی پوری زندگی میں گناہوں سے دور رہیں۔ ان کا دامن ہر قسم کے قول وفعل کی کمزوری سے پاک ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے اپنی عمر کا تھوڑا سا حصہ بھی لوگوں کے درمیان گناہ اور معصیت میں گزارا ہو تو ایسا شخص بعد میں لوگوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتا اور انہیں اپنے قول وفعل سے متاثر نہیں کر سکتا۔ جب لوگ اس سے متاثر نہیں ہوں گے تو اس کی بات کیسے سنیں گے۔ اس طرح اس کے آنے کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ جیسے علم کلام کی اصطلاح میں نقض غرض کہا جاتا ہے۔ جو عقلی طور پر قبیح ہے۔ اور خدا سے فعل قبیح سرزد نہیں ہوتا۔ اس عقلی دلیل کے علاوہ بہت سی آیات اور روایات بھی انبیاء کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔

عصمت انبیاء پر قرآنی دلائل

ا۔ قرآن بعض افراد کو " مُخْلَصْ " کہتا ہے۔ یعنی اللہ کے خالص بندے۔ یہ ایسے افراد ہیں جنہیں شیطان بھی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

---

[1] ۔ ڈائریکٹر نورالہدیٰ فاصلاتی نظام تعلیم، بارہ کہو اسلام آباد

"قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَO إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ " (1)

ترجمہ: " اس نے کہا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکادوں گا مگر ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہوں۔"

شیطان کا کام ہی گمراہ کرنا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر شخص کو گمراہ کیا جائے۔ اس کا یہ کہنا کہ مخلص کو گمراہ نہیں کروں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں گمراہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ یہ " مُخْلَصْ " کون ہیں؟ جواب یہ ہے کہ مخلصین کا اہم ترین مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں۔ قرآن میں بہت سے انبیاء کا نام لے کر انہیں مخلصین کہا گیا ہے۔

"وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ أُوْلِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِO إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ " (2)

ترجمہ: " اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو طاقت اور بصیرت کے حامل تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص صفت کی وجہ سے مخلص بنایا ہے اور وہ صفت آخرت کا ذکر ہے۔"

اس طرح سورۂ مریم میں ہے:

" "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولاً نَّبِيًّا " (3)

ترجمہ: " اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو جو کہ مخلص اور نبی تھے۔"

سورۂ یوسف میں خدا فرماتا ہے:

"إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ " (4)

ترجمہ: "یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی قید یا شرط نہیں لگائی، بلکہ مطلق کہا ہے کہ ان کی اطاعت کرو۔ جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّهِ " (5)

ترجمہ: "اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر صرف اس لئے کہ حکم خدا سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

مطلق اطاعت اسی صورت میں صحیح ہے جب وہ خدا کی اطاعت کی طرح ہو۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت کے منافی نہ ہو۔ وگرنہ تناقض اور تضاد پیش آئے گا۔ اس حوالے سے فخر الدین رازی اپنی کتاب مفاتیح الغیب جو کہ تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے میں آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ "کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے اولیٰ امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے لہٰذا اس کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ خطا اور گناہوں سے معصوم نہیں ہوگا۔ بعض اوقات گناہ کا مرتکب ہوگا تو حکم خدا سے اس کی اطاعت ضروری ہوگی۔ دوسری طرف چونکہ گناہ ہے اور خدا نے گناہ کرنے سے منع کیا ہے تو لازم آئے گا کہ ایک طرف خدا اس کا حکم دے رہا ہے اور دوسری طرف اس سے منع کر رہا ہے۔ یہ تناقض ہے جو کہ عقلی طور پر قبیح ہے اور خدا سے قبیح سرزد نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اولیٰ امر معصوم ہو۔ (6)

فخر الدین رازی کے استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ اولی امر کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ یہی استدلال اطیعوا الرسول میں آئے گا۔ لہٰذا رسول کا معصوم ہونا بھی ضروری ہے۔

عصمت انبیاء پر روائی دلائل

ا۔امام صادقؑ فرماتے ہیں:

''الانبیاء والاوصیاء لا ذنوب لهم لانهم معصومون مطهرون'' (7)

ترجمہ: ''انبیاء اور اوصیاء کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے کیونکہ وہ پاکیزہ اور معصوم ہوتے ہیں۔''

۲۔رسول خداﷺ فرماتے ہیں:

''انا وعلی والحسن والحسین وتسعة من ولد الحسین مطهرون معصومون'' (8)

ترجمہ: ''میں اور علی اور حسن اور حسین اور حسین کی اولاد سے نو فرزند پاکیزہ اور معصوم ہیں۔''

ان عقلی اور نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے اگر کسی آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کسی نبی سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اس میں ہمارے فہم کا قصور ہے۔ یعنی جو ہم سمجھ رہے ہیں، آیت وہ نہیں کہہ رہی۔ بلکہ کسی اور مطلب کی طرف اشارہ کررہی ہے جس کی طرف ہم نے توجہ نہیں کی۔ اگر ان آیات سے انبیاء کا گناہ ثابت ہو تو یہ آیات ان آیات سے ٹکرا جائیں گی جو ان کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔اس طرح آیات میں تضاد لازم آئے گا۔ حالانکہ قرآن اس کی نفی کرتا ہے۔

چونکہ اس مقالے کا موضوع عصمت رسول عربیﷺ ہے لہٰذا ہم صرف ان آیات کا ذکر کریں گے جو آنحضرتﷺ کے متعلق ہیں اور جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ آپ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپؐ کی سرزنش کررہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔

ا۔وہ آیات جو آپؐ کی اطاعت کا حکم دیتی ہیں

1. ''قُلْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ فإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ'' (9)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔''

2. ''وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ'' (10)

ترجمہ: '' اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اس طرح کی بیس(20)آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے رسولﷺ کی اطاعت کی جائے۔ یہ اطاعت مطلوب ہے، ان آیات میں ایسی کوئی شرط نہیں لگائی گئی کہ فلاں وقت میں اطاعت کرنی ہے اور فلاں میں نہیں۔ فلاں کام میں اطاعت کرنی ہے، فلاں میں نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ کا ہر فعل اور ہر قول خدا کی نگاہ میں صحیح ہے اور جو فعل اور قول خدا کی نگاہ میں صحیح ہو وہ گناہ کے زمرے میں نہیں آتا۔

۲۔وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (11)

ترجمہ: '' اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو یقیناً خدا کا عذاب بڑا سخت ہے۔''

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنا ہی تقویٰ الٰہی ہے اور ان کی نافرمانی سخت عذاب کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ رسول خداﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان کی فرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسولﷺ کی اطاعت کی گویا اس نے خدا کی اطاعت کی۔

پس اجر وثواب اور سزا وعذاب کا دارومدار خدا کی اطاعت و نافرمانی پر ہے۔ کیا یہ عدل الٰہی کے منافی نہیں ہے کہ عام انسان خدا کی نافرمانی کرے۔ تو سزا کا مستحق قرار پائے اور رسولؐ نافرمانی کرے تو سزا سے محفوظ رہے۔

۳۔ " وَإِن كَادُواْ لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لاَّتَّخَذُوكَ خَلِيلاً وَلَوْلاَ أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلاً " (12)

ترجمہ : " اور یہ لوگ آپ کو اس وحی سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو ہم نے آپ پر کی ہے تاکہ آپ وحی سے ہٹ کر کوئی اور بات گڑ کر ہماری طرف منسوب کریں ایسی صورت میں وہ ضرور آپ کو دوست بنا لیتے۔ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو یقیناً آپ کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے "

یہاں بعض مفسرین نے اس کے شان نزول کو دیکھتے ہوئے آنحضرت کو غیر معصوم قرار دیا ہے۔ ایک شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول خداﷺ سے کہا کہ وہ ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہیں اور غلاموں اور بہت لوگوں جو کہ آپ پر ایمان لا چکے ہیں کو خود سے دور رکھیں تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر قرآن سن سکیں یا دوسری روایت کے مطابق مشرکین نے آپ سے کہا آپ ایک دفعہ ہمارے خداؤں کو سلام کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ قریب تھا کہ آنحضرتﷺ راضی ہو جاتے لیکن آیت نے سخت لہجے میں آپؐ کو منع کر دیا۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہی آیت آپ کی عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کو منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ابھی انہوں نے آپ کو منحرف نہیں کہا۔ ان کی یہ کوشش کامیاب کیوں نہیں ہوئی۔ آگے والی آیت اس کا جواب دے رہی اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تو تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے : " وَلَوْلا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلا " یعنی : " اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تو تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتا۔ "

یہ آیت دو جملوں سے مرکب ہے۔ وَلَوْلا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ جو کہ شرط ہے اور لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم تجھے نبوت اور عصمت کے ذریعے ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ مائل ہو جاتا۔ مفہوم یہ ہے کہ چونکہ ہم نے تجھے ثابت قدم رکھا ہے اس لئے تو ان کی طرف مائل ہی نہیں ہوا نہ صرف مائل نہیں ہوا بلکہ میلان کے قریب بھی نہیں ہوا چونکہ " وَلَوْلا کی جزا لَقَدْ كِدْتَ " ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔

اگرچہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اتنے لوگ اصرار کر رہے ہوں تو مان لیا جائے، لیکن رسول خداﷺ ایسا نہیں کرتے چونکہ خدا نے انہیں دین پر واجبات کی ادائیگی، محرمات سے اجتناب اور ہر قسم کی خطا سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ صرف اس واقعہ میں نہیں ہے کہ خدا نے انہیں بچایا ہے۔ بلکہ یہ ثابت قدمی ہر موقعہ اور ہر حال میں ہے۔ جس طرح دوسری آیت ہے :

" وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مُّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلاُّ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ وَأَنزَلَ اللّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا " (13)

ترجمہ : " اگر آپ پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ایک گروہ نے آپ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا یہ خود تو گمراہ کر سکتے ہیں لیکن تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور جو تیرے پاس نہیں تھا وہ سب علم تجھے دے دیا اور خدا کا آپ پر بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ "

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول خداﷺ نہ احکام الٰہی بیان کرنے میں غلطی کرتے ہیں نہ کسی فیصلہ کرنے میں غلطی کرتے اور نہ کوئی غلط کام انجام دیتے ہیں چونکہ خدا نے انہیں کتاب بھی دی ہے حکمت بھی وہی ہے اور ہر شے کا علم بھی دیا اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔

اب ہم ان آیات اور روایات کا ذکر کرتے ہیں جن سے بعض افراد نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول خداﷺ سے غلطی ہوئی تھی اور خدا نے آپ کو سرزنش کی ہے۔ یہ آیات مختلف انداز کی ہیں۔ بعض آیات جملہ شرطیہ کی شکل میں ہیں۔ بعض میں استغفار کی بات ہوتی ہے۔ بعض میں معاف کرنے کی بات ہوئی ہے۔ بعض میں ذنب کا لفظ آیا ہے۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول خداﷺ سے کچھ ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں کہ قرآن یہ باتیں کر رہا ہے۔ دراصل ان آیات کا مقصد کچھ اور ہے جنہیں بعض افراد نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

ا۔ وہ آیات جو جملہ شرطیہ کی شکل میں ہیں۔

الف: سورہ بقرہ میں خدا فرماتا ہے:

"وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ" (14)

ترجمہ: "علم کے آنے کے بعد بھی اگر آپ نے یہود و نصاریٰ کی پیروی کی تو پھر خدا کے عذاب سے بچانے والا نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ مددگار۔"

جبکہ آیت ۱۴۵ میں فرمایا:

"وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُواْ قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَاً لَّمِنَ الظَّالِمِينَ" (15)

ترجمہ: "اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے ہر قسم کی نشانی لے آئیں پھر بھی یہ لوگ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی اتباع کرنے والے ہیں اور نہ ان میں سے کوئی دوسرے کے قبلے کی اتباع کرنے پر تیار ہے اور (پھر بایہ ہے کہ) آپ کے پاس جو علم آچکا ہے اس کے بعد بھی اگر آپ لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو آپ زیادتی کرنے والوں میں ہوں گے۔"

ب: سورہ زمر میں ہے:

"وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ" (16)

ترجمہ: "اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والوں کی طرف یہی وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔"

ج: سورہ حاقہ میں ہے:

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ" (17)

ترجمہ: "اور اگر یہ رسول ہماری طرف سے کوئی بات گھڑ لیتا تو ہم اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے اور پھر اس کی گردن اڑا دیتے۔"

ان آیات میں حرف شرط استعمال ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نہ شرط واقع ہوئی ہے نہ جزا۔ جس طرح ہم کسی فعل ہونے والے بچے سے کہتے ہیں اگر تم محنت کرتے تو پاس ہو جاتے۔ اس جملے سے معلوم ہوا ہے کہ بچے نے محنت نہیں کی۔ اس پاس بھی نہیں ہوا۔ گویا شرط اور جزا دونوں واقع نہیں ہوئیں۔ مذکورہ آیات بھی اسی طرح ہیں۔ اگر آپ اہل کتاب کی خواہشات کا اتباع کرتے تو ظالم کہلاتے۔ نہ آپؐ نے ان کی پیروی کی نہ

آپ کا شمار ظالموں میں ہوا۔ اگر آپ شرک کرتے تو اعمال ضائع ہو جاتے۔ نہ آپ نے شرک کیا نہ آپ کے اعمال ضائع ہوئے۔ اگر آپ خدا کی طرف کوئی من گھڑت بات منسوب کرتے تو خدا آپ کی گردن اڑا دیتا۔ نہ آپ نے کوئی بات منسوب کی نہ آپ کی گردن اڑائی گئی۔ مختصر یہ کہ جزا کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شرط بھی واقع نہیں ہوئی۔ جس طرح سورہ انبیاء آیت ۲۲ میں ہے کہ "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا" اگر زمین وآسمان میں اللہ کے علاوہ اور خدا بھی ہوتے تو زمین وآسمان تباہ ہو جاتے۔ یہاں زمین وآسمان کا قائم رہنا اور تباہ نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے۔

اب یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب اس طرح نہ ہوا ہے اور نہ ہونا ہے تو ان آیات کے بیان کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کیونکہ قرآن کی کوئی آیت بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہوئی، بلکہ کسی نہ کسی حکم یا نکتے کو بیان کر رہی ہوتی ہے۔ یہاں ہم چند ممکنہ نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف: یہ آیات رسول خداﷺ کی انسانی فطرت کی طرف اشارہ کرتی ہیں، یعنی رسول بھی ایک انسان ہے اور جس طرح عام انسانوں سے گناہوں کا سرزد ہونا ممکن ہے اسی طرح آنحضرتﷺ بھی گناہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس کے باوجود گناہ نہیں کرتے اور ان کا کمال ہے۔ اگر کوئی گناہ پر قادر نہ ہو اور گناہ نہ کرے تو اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے۔ ایک شخص پیدائشی اندھا ہو اور یہ کہے کہ میں نے آج تک کسی نامحرم کو نہیں دیکھا تو اگرچہ اس سے یہ گناہ نہیں ہوا، لیکن اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے۔ ہاں آنکھوں والا کہے کہ میں نے نہیں دیکھا تو یہ کمال ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام گناہوں پر قادر ہوتے ہیں، لیکن عظمت الٰہی اور گناہوں کی پستی کی بنا پر ان کے مرتکب نہیں ہوتے اور یہی ان کا کمال ہے۔ اسی بناء پر خدا کی ان پر خصوصی عنایت ہوتی ہے اور وہ مقام عصمت پر فائز ہوتے ہیں۔

ب: ان آیات کا ایک ہدف لوگوں کی تربیت کرنا اور ایسے گناہوں سے اجتناب کرنے کی تاکید کرنا بھی ہے۔ اس طرح کا انداز بیان خود سر اور متکبرانہ سوچ رکھنے والے افراد کے لئے مفید ہوتا ہے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اگر ایسا گناہ کرنے پر خدا اپنے نبی کے لئے بھی سزا کی بات کرتا ہے تو وہ تو نبی سے افضل نہیں ہے اور نہ ہی نبی سے زیادہ خدا کو محبوب ہے کہ اگر وہ گناہ کرے گا تو خدا کچھ نہیں کہے گا۔

چونکہ اس طرح کے خطاب لوگوں پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اس لئے ایسے انداز ہر زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً عربی میں ہے" اياك اعنى واسمعى يا جاريه" یعنی: کہہ تو تمہیں رہی ہوں لیکن اے پڑوسن مراد تو ہے۔" یا اردو میں کہا جاتا ہے: " کہوں بیٹی کو سناؤں بہو کو۔" اسی طرح فارسی میں کہتے ہیں بہ درمی گویم تا دیوار بشنود۔ یعنی: "دروازے کو کہوں تاکہ دیوار سن لے۔" مختصر یہ کہ ایسے انداز بیان میں مخاطب سامنے والا ہوتا ہے لیکن مراد کوئی اور ہوتا ہے۔ یہاں بھی خطاب رسول خداﷺ سے ہو رہا ہے لیکن مراد دوسرے افراد ہیں۔

۲۔ وہ آیات جن میں آپ کو استغفار کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

الف: سورہ نساء آیت ۱۰۶ میں خدا فرماتا ہے:

"وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا"

ترجمہ: "اور اللہ سے طلب مغفرت کیجئے یقیناً خدا جزا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

ب: سورہ غافر آیت ۵۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

"فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ"

ترجمہ: "پس صبر کیجئے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنے گناہ کے لئے استغفار کریں اور صبح وشام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔"

ج: سورہ محمد آیت ۱۹ میں ہے:

"فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ"

ترجمہ: "پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومنین اور مومنات کے لئے بھی اور اللہ تمہاری آمدورفت اور ٹھکانے کو جانتا ہے۔"

بعض افراد کا خیال ہے کہ چونکہ استغفار وہاں ہوتی ہے جہاں غلطی ہوتی ہو۔ اگر غلطی نہ ہو تو معذرت کیسی؟ کسی چیز سے معافی مانگی جارہی ہے۔ خدا کا، رسول خداﷺ کو استغفار کا حکم دینا اور آپ کا معافی طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اسی غلطی کو شرعی اصطلاح میں گناہ کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عظمتِ خدا، مسئولیت انبیاء اور ان کا صاحب معرفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کوئی ایسا فعل ہو جو عام انسان کے لئے جائز ہو، لیکن انبیاء کے لئے غلطی اور خطا کے زمرے میں آتا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شرعی لحاظ سے واجبات کا ترک کرنا اور محرمات کا بجالانا گناہ ہے۔ مستحب کا ترک کرنا اور مکروہات کا بجالانا گناہ شمار نہیں ہوتا۔ لیکن بعض اوقات زمان و مکان اور مکلّف کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے ایسا کرنا بُرا تصور کیا جاتا ہے جسے اصطلاح میں ترک اولیٰ کہا جاتا ہے۔

ٹھیک ہے کہ مستحبات کا بجالانا اور مکروہات کا ترک کرنا انسان کو باکمال بنادیتا ہے۔ اور ایسا نہ کرنا گناہ نہیں ہے۔ ممکن ایک باکمال انسان جب اپنی حیثیت اور خدا کی عظمت کو دیکھتا ہے تو اسے مستحبات کا بجانہ لانا اور مکروہات کا بجالانا گناہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے لئے بخشش کی دعا مانگتا ہے۔ اپنے اس عمل پر پشیمان ہوتا ہے۔ توبہ واستغفار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ شرعی لحاظ سے گناہ نہیں ہے۔

ایک عمل خاص شرائط کے ساتھ اچھا یا کم از کم بُرا تصور نہیں کیا جاتا لیکن وہی عمل بعض مخصوص حالات میں بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مثالوں پر غور کیجئے۔

1) ایک عام انسان کی زندگی پر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ معاشرتی آداب میں سے چند ایک پر کاربند ہوتا ہے۔ اس کے کھانے پینے، اٹھنے، بیٹھنے، ملنے ملانے اور کام کرنے کے اپنے آداب ہوتے ہیں لیکن وہ پڑھے لکھے اور مہذب افراد جیسے آداب سے عاری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے علماء کے ادب وآداب کی امید رکھنا فضول ہے۔ یہی وجہ ہے جب وہ ان آداب کا خیال نہیں رکھتا تو کوئی بھی اس کی مذمت نہیں کرتا۔ اسے بُرا تصور نہیں کیا جاتا۔ لیکن اگر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ان آداب کا خیال نہ رکھے تو اسے سرزنش کی جاتی ہے۔ اور اسے خلاف ادب قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کم پڑھے لکھے اور زیادہ پڑھے لکھے الگ الگ آداب کے حامل ہوتے ہیں وہی حرکت جو ایک کے لئے مباح اور جائز ہوتی ہے دوسرے کے لئے قابل گرفت ہوتی ہے۔ یہی حال عام انسان اور انبیاء کا ہے۔ بہت سی باتیں اور افعال جو ہمارے لئے جائز اور مباح ہیں، لیکن نبی اسے اپنے لئے خلاف ادب سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر کبھی اس سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے تو وہ استغفار کرتا ہے۔

2) مکتب عشق میں عاشق کا تمام وجود معشوق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اس سے ایک لمحے کی غفلت بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ حتی کہ ضروری کام کی وجہ سے اس کی توجہ ایک لمحے کے لئے معشوق سے ہٹتی ہے تو وہ خود کو مجرم سمجھتا ہے۔۔ ابن ابی الفتح اربلی کہتے ہیں:

"انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہمیشہ خدا کی یاد میں رہتے ہیں اور قربِ خدا کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک لمحے کے لئے بھی یاد خدا سے غافل نہ رہیں لہٰذا جب وہ کھانے، پینے، سونے جیسے دنیاوی کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو خود کو غفلت کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہیں۔ بخشش کی دعا مانگتے ہیں کیا تم دنیا میں ایک غلام کو نہیں دیکھتے جب وہ کھانا

کھا رہا ہے۔ یا سو رہا ہے اور اس کا مالک اسے دیکھ رہا ہے تو وہ خود کو ملامت کرتا ہے کہ میرا مالک دیکھ رہا ہے اور میں کھا رہا ہوں مجھے تو مالک کی خدمت کرنی چاہیئے تھی۔"(18)

انبیاء علیہم کا استغفار اسی سلسلے میں ہوتا ہے نہ کہ گناہ کی وجہ سے جیسا کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

''ان رسول اللہ کان یتوب الی اللہ فی کل یومِ سبیعن مرۃ من غیر ذنب ''(19)

ترجمہ: ''رسول خداﷺ ہر روز خدا کی بارگاہ میں ستر دفعہ توبہ کیا کرتے تھے۔ جبکہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوتا تھا۔''

یہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن و روایات میں رسول خداﷺ کے استغفار کا ذکر تو آیا ہے لیکن کہیں بھی نہیں ہے کہ رسول خداﷺ نے فلاں غلطی کی تھی یا فلاں گناہ کے مرتکب ہوئے تھے جس کی بناء پر آپ استغفار کر رہے ہیں۔

اگر ان آیات کے شان نزول پر بھی غور کر لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ وہی خطا تھی جس کا تعلق عشق و محبت اور معرفت و عرفان سے ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

''آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ''(20)

ترجمہ: ''رسول اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور تمام مومنین بھی اللہ! اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پائے۔ اور سب کا کہنا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور پروردگار ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔''

اس آیت میں رسولؐ سمیت تمام اہل ایمان اطاعت کا اقرار کر رہے ہیں اس کے باوجود بخشش بھی طلب کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نافرمانی کی وجہ سے بخشش طلب نہیں کر رہے بلکہ عرفانی خطا کو مد نظر رکھتے ہوئے معافی مانگ رہے ہیں۔ نہ صرف حضرت محمدﷺ بلکہ دوسرے انبیاء بھی بخشش کی دعا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کہتے ہیں:

''رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ''(21)

ترجمہ: ''پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو جائے اور تمام مومنین اور مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کسی شے میں اضافہ نہ فرما۔''

حضرت ابراہیمؑ دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں:

''رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ''(22)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار مجھے، میرے والدین اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب کیا جائے گا۔''

حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں:

''قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ'' (23)

ترجمہ: ''پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لے تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

مغفرت اور بخشش کی یہ تمام التجائیں اس پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان خدا کی خوشنودی کے حصول اور اس کا حق اطاعت ادا کرنے کی جتنی بھی کوشش کرے کم ہے۔ وہ اپنی عبادات کا جب خدا کی عظمت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے تو خود کو قصور وار سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معصومین علیہم السلام اس قدر عبادت اور اطاعت کرنے کے باوجود کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"ماعبدناك حق عبادتك"

ترجمہ: "ہم تیری حق عبادت نہ ادا کرسکے۔"

حتیٰ کہ ملائکہ جن کی عصمت کے متعلق کسی کو شک نہیں ہے وہ بھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک طولانی حدیث میں ابوذر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے ابوذر خدا کے کچھ فرشتے ہیں جو حالت قیام میں خوف خدا سے سر بھی نہیں اٹھاتے کہ کہیں ادب کے منافی شی نہ ہو مسلسل عبادت کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں:

"سبحانك وبحمدك ماعبدناك كماينبغي لك ان نعبد"

ترجمہ: "تو پاک و پاکیزہ ہے۔ تو لائق حمد ہے اے پرور دگار ہم اس طرح تیری عبادت نہ کرسکے جیسے ہمیں تیری عبادت کرنی چاہیے تھی۔" (24)

گناہ اور خطاء در حقیقت ایک نسبی امر ہے۔ ایک ہی عمل کسی کے لئے نیکی اور قابل قدر شمار ہوتا ہے جبکہ وہی عمل دوسرے کے لئے قابل مذمت قرار پاتا ہے۔ مثلاً ایک غریب شخص خیراتی ہسپتال کے لئے سو روپے چندہ دیتا ہے۔ یہ سب کی نگاہ میں قابل تحسین ہے کہ غربت کے باوجود اس نے سو روپے دیئے ہیں لیکن اگر ایک کروڑ پتی سو روپے دے تو سب کی نگاہ میں قابل مذمت ہے کہ اتنی دولت کے ہوتے ہوئے صرف سو روپے دے رہا ہے۔ یعنی ایک ہی عمل ایک کے لئے قابل تحسین ہے اور دوسرے کے لئے قابل مذمت۔ یہاں کوئی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ کیسے آپ ایک ہی عمل پر ایک کی تعریف کر رہے ہیں اور دوسرے کی مذمت۔ وجہ یہی ہے کہ کروڑ پتی کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ بھی سو روپے دے۔

اسی طرح ایک عمل جو عام آدمی کے لئے خدا کے نزدیک نیکی ہو، لیکن اگر بنی یا امام وہی عمل انجام دے تو نیکی کے زمرے میں نہ آتا ہو بلکہ اس کے خطا اور گناہ تصور کیا جاتا ہو۔ کیونکہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا تعلق براہ راست مبداء اور معاد سے ہے۔ ان کا علم خدا کا عطا کردہ ہے۔ بہت سے حقائق ان کے لئے روشن ہیں جبکہ عام آدمی ان سے واقف نہیں۔ علم، ایمان، تقویٰ اور عشق الٰہی کے جس عظیم درجے پر وہ فائز ہیں عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ اگر کسی دنیاوی ضرورت کے تحت ان کی توجہ ایک لمحے کے لئے بھی خدا سے ہٹ جائے تو وہ اسے اپنے لئے گناہ سمجھتے ہیں اور توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اس بنا پر جملہ مشہور ہے "حسنات الابرار سيئات المقربين" نیک لوگوں کی بعض نیکیاں مقربین الٰہی کے لئے خطا شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق جن آیات میں گناہ کا لفظ آیا ہے یا توبہ واستغفار کا وہ اسی طرح کا گناہ ہے جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

بن ابی الفتح الاربلی اپنی کتاب کشف الغمہ میں لکھتے ہیں: میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک دعا دیکھی جو وہ سجدہ شکر میں پڑھا کرتے تھے۔ وہ دعا یہ تھی:

"رب عصيتك بلساني و لو شئت و عزتك لأخرستني و عصيتك ببصري و لو شئت و عزتك لأكمهتني و عصيتك بسمعي و لو شئت و عزتك لأصممتني و عصيتك بيدي و لو شئت و عزتك لكنعتني و عصيتك برجلي و لو شئت و عزتك لجذمتني..." (25)

ترجمہ: "اے میرے پروردگار میں نے اپنی زبان سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو مجھے گونگا کردیتا۔ میں اپنی آنکھ سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو مجھے اندھا کردیتا۔ میں نے اپنے کانوں سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو میری قوت سماعت چھین لیتا۔ میں نے اپنے پاؤں سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو مجھے جزام میں مبتلا کردیتا۔۔۔"

اربلی کہتے ہیں میں سوچتا رہتا تھا کہ شیعہ تو معتقد ہیں کہ ان کے ائمہ معصوم ہوتے ہیں ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتے اور یہاں خود ان کا امام کہہ رہا ہے کہ میں نے خدا کی نافرمانی کی۔ پھر ایک دن میری ملاقات سید رضی الدین ابوالحسن علی بن موسیٰ بن طاوؤس علوی سے ہوئی۔ میں نے ان سے بات کی تو انہوں نے کہا یہ سب ہمیں تعلیم دینے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن ان کے جواب سے میں مطمئن نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ یہ دعا رات کے اندھیرے میں مانگتے تھے، جبکہ دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ وزیر مملکت مؤید الدین علقمی نے بھی مجھ سے اس دعا کے متعلق پوچھا تو میں نے سید ابن طاوؤس والا جواب انہیں دے دیا۔ لیکن میں خود مطمئن نہیں تھا۔ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ اس دعا کے پیچھے حقیقت کیا ہے۔

پھر ایک دفعہ خود امام موسیٰ کاظمؑ کی عنایت کی برکت سے میری یہ مشکل آسان ہو گئی۔ میں نے اس کا صحیح جواب حاصل کرلیا۔ اسے میں آپ لوگوں کے لئے بیان کرتا ہوں۔ انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہر وقت ذکر خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے دل ہمیشہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں اس طرح خدا کی عبادت کرو گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اگر پھر نہیں تو پھر اس کا یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہر وقت اسی حالت میں رہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اس سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ کیونکہ ضروریات زندگی مثلاً کھانا پینا سونا اور اپنے ازدواجی امور کی انجام دہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اسی طرح کی غفلت کو وہ اپنے لئے گناہ سمجھتے ہیں لہٰذا توبہ واستغفار کرتے ہیں۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"انه ليغان على قلبى وانى استغفر بالنهار سبعين مرة"

ترجمہ: "بعض اوقات میرے قلب پر غفلت کے پردے آجاتے ہیں اسی لیے میں دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔"

یعنی دنیاوی کاموں کی وجہ سے خدا کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور ان کاموں کی طرف ہو جاتی ہے۔ (26)

۲۔ معافی

قرآن میں چند آیات ایسی ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے آپؐ کو معاف کیا۔ معافی اور خطا لازم وملزوم ہیں۔ یعنی معاف کرنے کا تصور وہیں ہوتا ہے جہاں خطا سرزد ہوئی ہو۔ سورہ توبہ میں خدا فرماتا ہے:

"عَفَا اللّٰهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ" (27)

ترجمہ: "(اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے؟"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جار اللہ زمحشری لکھتے ہیں:

"عفا الله عنك" اشارہ ہے خطا اور گناہ کی طرف، کیونکہ عفو ودرگذر اور معاف کرنا وہیں صادق آتا ہے جہاں گناہ ہوا ہو۔ پس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ نے غلطی کی ہے اور بُرا کام کیا ہے۔ وہ غلطی کیا تھی اس کو یہ جملہ بیان کررہا ہے "لم اذنت لهم" آپؐ نے انہیں اجازت کیوں دی ہے۔ یعنی یہ اجازت دینا ہی آپ کی غلطی ہے۔ (28)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر کچھ منافقین رسول خداﷺ کے پاس آئے اور قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم میں جنگ میں شرکت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ہمیں گھروں میں رہنے کی اجازت دے دیں تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ جس پر یہ آیت اتری۔
کیا رسول خداﷺ کا انہیں اجازت دینا ناپسندیدہ عمل تھا جس پر خدا ان کی سرزنش کر رہا ہے؟ اکثر مفسرین نے اس کی نفی کی ہے۔ اگر ظاہری حالات کو دیکھا جائے تو رسول خداﷺ کا اجازت دینا حکم خدا کے مطابق تھا۔ کیونکہ سورۂ نور میں خداوند کریم فرماتا ہے:

''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' (29)

ترجمہ: ''یقیناً مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسولﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے میں ان کے ساتھ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔ جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا جب یہ اپنے کام کے لئے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ سے استغفار بھی کریں۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

آنحضرتﷺ سے جنگ میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والے اگرچہ حقیقت میں منافق ہی تھے لیکن ظاہری طور پر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے تھے۔ مذکورہ آیت کی رو سے آنحضرتﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جسے چاہیں اجازت دے دیں۔ آپ نے دے دی۔ خدا بھی جانتا تھا کہ یہ منافقین ہیں۔ ان کا جہاد میں جانا مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ جیسا کہ اگلی آیات میں خدا فرماتا ہے:

''لاَ يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَن يُجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَO إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَO وَلَوْ أَرَادُواْ الْخُرُوجَ لأَعَدُّواْ لَهُ عُدَّةً وَلَـكِن كَرِهَ اللّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُواْ مَعَ الْقَاعِدِينَO لَوْ خَرَجُواْ فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلاَّ خَبَالاً وَلأَوْضَعُواْ خِلاَلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (30)''

ترجمہ: ''جو لوگ روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کے خلاف ہرگز آپ سے اجازت طلب نہیں کریں گے اور خدا یقیناً صاحبان تقویٰ کو جانتا ہے۔ ایسی اجازت صرف وہی لوگ مانگیں گے جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔ اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ سامان تیار کرتے۔ لیکن اللہ کو ان کا نکلنا پسند نہیں ہے۔ اس لیے اس نے ان کے ارادوں کو کمزور رہنے دیا اور ان سے کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تمہارے لیے صرف مشکل کا ہی باعث بنتے اور تمہارے درمیان فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔''

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ منافقین کا جنگ میں شرکت کرنا خلاف مصلحت تھا۔ ان کے شریک ہونے سے مسلمانوں کو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا۔ لہٰذا مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں شریک ہونے سے روکا جائے۔ جب انہوں نے خود ہی اجازت طلب کر لی تو رسول خداﷺ نے بھی مصلحت کو دیکھتے ہوئے انہیں اجازت دے دی۔ اجازت نہ بھی دیتے تب بھی انہوں نے شریک نہیں ہونا تھا جیسا کہ پہلے والی آیت کہہ رہی ہے:

"لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَـٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ" (31)

ترجمہ: "اگر کوئی قریبی فائدہ یا آسان سفر ہوتا تو یہ ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ لیکن ان کے لئے دور کا سفر مشکل بن گیا ہے اور عنقریب ہی قسم کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے لیے ممکن ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ یہ خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور خدا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔"

رسول خدا ﷺ کا انہیں اجازت دینا نہ غلط تھا نہ مصلحت کے خلاف، ہاں اگر آپ اجازت نہ دیتے تو جلدی یہی سچے اور جھوٹے الگ الگ ہو جاتے۔ تمہیں اور دوسروں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ منافق ہیں اور صرف جنگ سے جی چرانا چاہتے ہیں:

"حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ"

ترجمہ: "آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے؟"

آیت اللہ آقای ناصر مکارم کہتے ہیں: ""

ممکن ہے کہ "عَفَا اللَّهُ عَنكَ" ایک کنایہ ہو۔ یعنی رسولؐ کو مخاطب کرکے در حقیقت منافقین کے نفاق کو ظاہر کیا جارہا ہے۔ اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی ظالم شخص آپ کے بیٹے کو تھپڑ مارنا چاہتا ہے کہ آپ کا ایک دوست اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اسے تھپڑ نہیں مارنے دیتا۔ آپ اس کے اس کام سے نہ صرف ناراض نہیں ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے۔ لیکن اس ظالم کے ظلم کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے دوست سے کہتے ہیں کہ آپ نے کیوں اسے روکا ہے۔ اسی جملے کا مقصد صرف ظالم کے ظلم کو ظاہر کرنا ہے نہ کہ دوست کی سرزنش۔

علاوہ ازیں بعض مفسرین نے "عَفَا اللَّهُ عَنكَ" کو جملہ انشائیہ قرار دیا ہے اور ایسے جملے وہاں بولے جاتے ہیں جہاں مخاطب کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو۔ جیسا کہ فخر الدین رازی اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لانسلم ان قوله عفا الله عنك يوجب الذنب ولم لايجوز ان يقال ان ذلك يدل على مبالغة الله فى تعظيمه وتوقيره كما يقول الرجل لغيره اذا كان معظما عنده عفا الله عنك ماصنعت فى امرى وعفاك الله ماعرفت حقى فلايكون غرضه من هذا الكلام الامزيد التجليل والتعظيم" (32)

ترجمہ: "ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ عفا اللہ عنک اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے گناہ سرزد ہوا تھا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور توقیر بیان کر رہا ہے۔ جس طرح انسان اس شخص، جو اس کے نزدیک صاحب عظمت ولائق احترام ہو کے متعلق کہتا ہے۔ عفا اللہ عنك ما صعفت فی امری خدا تمہیں معاف کرے تو نے میرے متعلق کیا کہا ہے۔ عافاك الله ماعرفت حقی خدا تجھے معاف کرے تو نے میرے حق کو نہیں پہچانا۔ اس قسم کے جملے دعائیہ ہوتے ہیں اور در حقیقت اس شخص کی مزید عزت واحترام اور عظمت کو بیان کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔"

۳۔ ذنب

بعض آیات میں "ذنب" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی گناہ کے ہیں۔ سورہ فتح میں خدا فرماتا ہے:

"لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (33)

ترجمہ: "تاکہ اللہ تیرے گذشتہ اور آئندہ گناہوں کو بخش دے۔"

اس آیت کا ظاہر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ جب خدا یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تیرے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ لیکن اگر آیت کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ نہیں ہے۔ پہلی آیت ہے " إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا " یقیناً ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی ہے تا کہ خدا تمہارے گذشتہ اور آئندہ ذنب معاف کر دے اور آپ پر اپنی نعمت مکمل کر دیے اور آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے۔ اگر اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ نہیں ہیں کیونکہ فتح عطا کرنے اور نعمت کے تمام کرنے کا گناہ کے ساتھ کیا ربط بنتا ہے۔

حقیت یہ ہے کہ ذنب اصل میں کسی شیئ کے آخری حصے کو کہتے ہیں جیسا کہ اہل لغت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ احمد ابن فارسی زکریا اپنی کتاب میں ذنب کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" ذنب الزال و النون و الباء اصول ثلاثة احدها الجرم و االآخر مؤخر الشئی و الثالث الحظ و النصیب " (34)

ترجمہ: "ذنب جو کہ ذال، نون اور با کا مرکب ہے اس کے تین اصل معانی ہیں۔ ایک جرم دوسرا شیئ کا آخری حصہ اور تیسرا حصہ اور نصیب"

بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ اصل معنی ایک ہی ہے اور وہ شیئ کا آخری حصہ ہے۔ جانور کی دم کو ذنب اسی لئے کہتے ہیں چونکہ وہ آخر میں ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے ذنب الدابة جانور کی دم۔ وارثت کو بھی ذنب اس لئے کہتے ہیں چونکہ وہ آخر میں آتی ہے۔ گناہ کو بھی ذنب اسی لئے کہتے ہیں چونکہ جو فعل انجام دیا ہے اس کے پیچھے ایک اثر آتا ہے۔ مثلاً ترک نماز، شراب کا پینا گناہ کہلاتا ہے چونکہ اسی کے پیچھے سزا کی صورت میں ایک اثر آرہا ہوتا ہے۔ اسی طرح الزام کو ذنب کہتے ہیں کیونکہ اس کے پیچھے ذنب کی صورت میں ایک اثر آرہا ہوتا ہے۔

مذکورہ آیت میں ذنب سے یہی معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ کفار رسول خدا ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ یہ مجنون ہے۔ لوگوں کی سنی سنائی باتیں کرتا ہے۔ خداؤں کو بُرا کہنے سے ان کے غضب کا شکار ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو قریش مکہ نے آپ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور آپ کو نبی ماننے لگے اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے لگے۔ اسی کو قرآن یوں بیان کر رہا ہے کہ خدا نے تمہیں کھلی فتح عطا کر کے تمہارے اوپر لگائے گئے سارے اعتراضات ختم کر دیئے اور آئندہ بھی کوئی ایسا الزام نہیں لگا سکے گا۔ یہی وہ نعمت ہے جو اللہ نے آپ کے اوپر تمام کر دی۔ یعنی دین اسلام کی حقیقت ثابت ہو گئی اور اسی کو خدا نے تکمیل نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ اسی بات کو سید ابن طاوؤس اپنی کتاب میں یوں لکھا ہے۔

"اما لفظ ما تقدم من الذنب و ما تأخر فالذی نقلناه من طریق اهل بیت النبوة ان المراد منه لیغفر لك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر عند اهل مكة و قریش بمعنی ما تقدم قبل الهجرة و بعدها" (35)

ترجمہ: "رہا یہ جملہ کہ ما تقدم من الذنب و ما تأخر جو کچھ ہم نے اہل بیتؑ نبوت سے نقل کیا ہے۔ اس کی روشنی میں اس سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ اور قریش آپ کے جن اعمال کو گناہ کہتے تھے وہ سب معاف ہو گئے چاہے ان کا تعلق ہجرت سے پہلے تھا یا بعد میں۔"

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعت اور خدا کی نگاہ میں گناہ نہیں تھے۔ اہل مکہ اور قریش کی نگاہ میں گناہ تھے۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو ان پر بھی واضح ہو گیا کہ ہم تو غلط کہتے تھے۔

۴۔ وہ آیات جن میں رسول خدا ﷺ کے فعل کے متعلق خدا بازپرس کر رہا ہے۔

(الف): سورہ تحریم میں خدا فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ " (36)

ترجمہ: "اے نبی، جو چیز اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے اسے آپ حرام کیوں کرتے ہیں، کیا آپ اپنی بیویوں کی مرضی چاہتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

بعض مفسرین کے مطابق رسول خداﷺ سے کوئی غلطی ہوئی تھی جس کی وجہ سے خدا آپ کی سرزنش کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ اے نبی تو اپنی بیویوں کی خواہش پر حلال چیزوں کو حرام کر رہا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے لہٰذا توبہ کرو یقیناً خدا معاف کرنے والا ہے۔ جار اللہ زمخشری کہتے ہیں:

"وکان هذا زلة منه لانّه ليس لاحدٍ ان يحرّم ما احلّ الله لان الله عزوجل انما احل ما احل لحكمة و مصلحة عرفها في احلاله فاذا حرم كان ذلك قلب المصلحة مفسدة" (37)

ترجمہ: "یہ آنحضرتﷺ کی ایک لغزش تھی کیوں کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خدا کی حلال کردہ شئے کو حرام کرے۔ چونکہ اللہ کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اسے حلال کرتا ہے۔ لہٰذا اگر اسے حرام کر دیا جائے تو مصلحت مفسدہ میں بدل جاتی ہے۔"

اور ایسا کرنا صحیح نہیں۔ واللہ عفور اور اللہ غفور ہے۔ اس نے آپ کی اس لغزش کو معاف کیا۔

فخر الدین رازی اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"المراد من هذا التحريم هو الامتناع عن الانتفاع بالازواج لا اعتقاد كونه حراماً بعد ما احل الله تعالیٰ فالنبی صلی الله عليه وسلم امتنع عن الانتفاع معها مع اعتقاده بكونه حلالاً ومن اعتقد ان هذا التحريم هو تحريم ما احله الله تعالیٰ بعينه فقد كفر فكيف يضاف الى الرسول صلی الله عليه وسلم مثل هذا" (38)

ترجمہ: "اس تحریم سے مراد یہ ہے کہ لونڈی سے لذت اٹھانے کو خود پر حرام کرنا ہے نہ کہ اسے حرام قرار دینا ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے پس آنحضرتﷺ نے اس سے فائدہ اٹھانے کو حرام قرار دیا ہے جبکہ آپ کا عقیدہ ہے کہ یہ شئے حلال ہے۔ وگرنہ اگر کوئی خدا کے حلال کردہ کو حرام قرار دے تو یہ کفر ہے۔ پس رسول خداﷺ کیسے ایسا کر سکتے ہیں۔"

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں جنہیں بیضاوی نے اپنی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل میں نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کی باری تھی اور آنحضرتﷺ نے جناب ماریہ سے ہمبستری کی تو جب انہیں معلوم ہوا تو وہ بہت چراغ پا ہوئیں۔ آنحضرتﷺ سے جھگڑا کرنے لگیں تو آنحضرتﷺ نے کہا آج کے بعد میں اس سے نہیں ملوں گا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (39)

دوسرا قول ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتﷺ نے جناب زینب کے ہاں شہد کا شربت پیا۔ حضرت عائشہ آئیں تو کہنے لگیں آپ کے منہ سے بو آرہی ہے پھر جناب حفصہ آئیں تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ تب آپؐ نے فرمایا: واللہ لا اشربہ خدا کی قسم آئندہ نہیں پیوں گا۔ (40)

بہرحال جو بھی شان نزول ہو آپ نے ترک مجامعت پر قسم کھائی ہو یا شربت نہ پینے پر، آنحضرتﷺ اگر یہ کہتے کہ شہد کا شربت یا بیوی سے مباشرت کرنا حرام ہے تب خدا کے حلال کردہ کو حرام قرار دینا ہے جو کہ جب کفر اور قابل مذمت ہے۔ لیکن آپ نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا کہ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ بہت سے افراد اس طرح کرتے ہیں کہ کسی مباح چیز کو استعمال نہیں کرتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ انہوں نے خدا کے حلال کو حرام کر دیا ہے۔

بہرحال اگر بعد والی آیات پر غور کر لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے اور ان بیویوں کی مذمت کر رہا ہے۔ فرمایا اللہ نے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کیا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ پھر بیویوں کو مخاطب کرکے کہا اگر تم دونوں توبہ کر لو تو ٹھیک ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیرے ہوگئے ہیں۔

اگر نبیؐ کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرو گی تو اللہ یقیناً اس کا مولا ہے اور جبرائیل اور نیک مومنین اور فرشتے بھی اس کے پشت پناہ ہیں اگر نبی تمہیں طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے جو مسلمان، ایماندار، اطاعت گزار، توبہ کرنے والیا، عبادت گذار اور روزہ رکھنے والیاں ہوں بیوہ ہوں یا کنواریاں۔

(ب): ''عَبَسَ وَتَوَلَّىO أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىO وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىO أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىO أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىO فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّى (41)''

ترجمہ: ''اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لینا۔ جب ایک نابینا اس کے پاس آیا اور آپ کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرنا یا نصیحت سننا اور نصیحت اسے فائدہ دیتی اور جو صاحب ثروت ہے آپ اس کی طرف متوجہ ہیں۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے رویے پر ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے اور انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر وہ فعل صحیح ہوتا تو خدا کبھی بھی آپ سے باز پرس نہ کرتا۔ اگر آیات پر غور کیا جائے تو یہ آیات آنحضرت ﷺ کی سرزنش کے متعلق نہیں ہیں۔ کیونکہ عبس کے فاعل کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کون تھا جس نے تیوری چڑھائی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ رسول خدا ﷺ مکہ کے اہم افراد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں دین کی دعوت رہے تھے۔ ابن ام مکتوم جو کہ نابینا تھے آپ کی محفل میں آئے تو اس نے ترش روئی دکھائی۔ منہ پھیر لیا۔ یہ کون تھا۔ بعض روایات کے مطابق بنی امیہ کا ایک شخص تھا۔ اسے یہ اچھا نہیں لگا کہ ایک نابینا اور غریب شخص ان کے پاس آ کر بیٹھے۔

تفسیر برہان میں سید ہاشم برہانی لکھتے ہیں:

''علی بن ابراهیم قال نزلت فی عثمان و ابن ام مکتوم وکان ابن ام مکتوم مؤذناًلرسول وکان اعمی فجاء الی رسول الله وعنده اصحابه وعثمان عنده فقدمه رسول الله علی عثمان فعبس عثمان وجهه وتولی عنه فائزل الله عبس وتولی'' (42)

ترجمہ: ''علی بن ابراہیم نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت عثمان اور ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو رسول خدا ﷺ کے مؤذن تھے اور آنکھوں سے نابینا تھے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس جبکہ آپ کے پاس صحابہ بھی بیٹھے تھے۔ آپ نے اسے عثمان پر ترجیح دی جس کی وجہ سے عثمان نے تیوری چڑھائی اور اپنا منہ پھیر لیا تو یہ آیات نازل ہوئیں عبس وتولیٰ۔''

اس لحاظ سے بھی یہ شان نزول مناسب لگتا ہے کہ قرآن رسول خدا کے متعلق فرماتا ہے: ''وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ'' (43) آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلق عظیم کے مالک ایک نابینا کو دیکھ کر تیور چڑھالیں۔ باقی یہ بات کہ آیت کے مخاطب رسول خدا ﷺ کو کہا جارہا ہے۔ یعنی پہلے غائب کی ضمیریں تھیں۔ اب مخاطب کی۔ اس کا جواب بھی واضح ہے۔ فصاحت و بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مخاطب کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے غائب کی بات کرتے کرتے مخاطب کی بات شروع کر دی جائے۔ عربی میں یہ انداز مخاطب بہت استعمال ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق عبس میں فاعل کی ضمیر رسول خدا ﷺ کی طرف جارہی ہے یعنی رسول خدا ﷺ نے ترش روئی کا مظاہرہ کیا اور اس سے منہ پھیرا۔ اگر اس روایت کو بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی آنحضرت ﷺ کے فعل کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ خلاف ادب کام ابن ابی مکتوم نے کیا تھا۔ جب رسول خدا ﷺ اشراف مکہ کے ساتھ بیٹھے تھے اور انہیں دعوت اسلام دے رہے تو ابن ابی مکتوم آئے اور بار بار آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرنے لگے تو مجھے یہ بتاؤ مجھے وہ بتاؤ۔ اس موقع پر ادب کا اصول کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ اپنی بات چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوں یا اپنی بات جاری رکھیں۔ کیا ابن ابی مکتوم کا یہ اصرار خلافِ ادب نہیں ہے۔ اگر خلافِ ادب ہے تو کیا رسول خدا ﷺ کا

اس کی طرف متوجہ نہ ہونا عین ادب ہے یا اس طرح متوجہ ہونا عین ادب ہے۔ متوجہ نہ ہونا عین ادب ہے متوجہ ہونا خلاف ادب ہے اور جو چیز خلاف ادب ہو اس کی حمایت نہیں کی جا سکتی ہے۔

فخر الدین رازی کہتے ہیں:

> "ابن ام مکتوم سرزنش کے مستحق تھے کیونکہ وہ بار بار رسول خداﷺ کی بات کو کاٹ رہے تھے۔ صرف اپنی بات سنانا چاہتے تھے۔ یہ چیز نبی کے لئے اذیت کا باعث بن رہی تھی جو کہ بہت بڑا گناہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اہم مہم پر ترجیح رکھتا ہے کفار کو دعوت اسلام دینا اہم تھا چونکہ اگر وہ مسلمان ہو جانے کو اسلام کو بہت فائدہ ہوتا۔ جبکہ ابن ام مکتوم تو پہلے سے ہی مسلمان تھے صرف چند مسائل پوچھنے آئے تھے یہ اس کے مقابلے میں اتنا اہم نہیں تھا۔" (44)

دوسرا یہ کہ آیات میں خداوند کریم نے کہیں بھی رسول خداﷺ کی سرزنش یا بازپرس نہیں کی۔ بلکہ واقعہ کو بیان کیا ہے کہ اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ پاکیزہ نفس ہو جاتا یا نصیحت حاصل کر لیتا تو وہ نصیحت اس کے کام آجاتی لیکن جو مستغنی بن بیٹھا ہے آپ اس کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ پاکیزہ نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے لیکن جو آپ کے پاس دوڑ کر آیا ہے اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے آپ اس سے بے رخی کرتے ہیں۔ دیکھئے یہ قرآن ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے قبول کرے۔

*****

حوالہ جات

1۔ سورہ ص۔ ۸۲۔ ۸۳

2۔ سورہ ص۔ ۴۵، ۴۶

3۔ مریم۔ ۵۱

4۔ یوسف۔ ۲۴

5۔ نساء۔ ۶۴

6۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب ج ۱۰، ص ۱۱۳

7۔۔ شیخ صدوق، الخصال ص ۶۰۸

8۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا ج ۲

9۔ العمران۔ 32

10۔ العمران۔ 132

11۔ الحشر۔ ۷

12۔ اسراء۔ ۷۳، ۷۴

13۔ نساء۔ 113

14۔ البقرہ۔ 120

15 بقرہ 145

16۔ زمر۔ 65

17۔ حاقہ 44، 45، 46

18۔اربلی، کشف الغمہ ج۳، ص۴۷

19۔ کلینی۔کافی ،ج۲، ص۴۵

20۔بقرہ۔287

21۔نوح۔28

22۔ابراہیم۔41

23۔اعراف۔151

24۔ طوسی، الامالی ص ۵۳۳

25۔ اربلی، کشف الغمہ، ج۳، ص۴۶

26۔ اربلی، کشف الغمہ، ج۳، ص۴۶

27۔ توبہ: ۴۳

28۔زمخشری، جاراللہ، الکشاف، ج۲، ص۲۷۴

29۔ نور: ۶۲

30۔ توبہ ۴۴تا۴۷

31۔ توبہ: ۴۲

32۔ رازی، فخرالدین، مفاتیح الغیب، ج۱۶، ص۵۸

33۔ سورہ فتح: 2

34۔ معجم القائس اللغۃ، ج۲، ص۳۶۱

35۔ابن طاوؤس، سعد السعود ص۲۰۸

36۔سورہ تحریم: 1

37۔زمخشری، جاراللہ، الکشاف، ج۴، ص۵۶۳

38۔مفاتیح الغیب، ج۳۰، ص۵۶۹

39۔انوار التنزیل، ج۵، ص۲۲۴

40۔ابن حاتم، تفسیر القرآن، ج۱۰، ص۳۳۶۲۔

41۔ سورہ عبس: ۱تا۶

42۔ بحرانی، ہاشم، تفسیر برہان، ج۵، ص۵۸۲

43۔ قلم: ۴

44۔رازی، فخرالدین، مفاتیح الغیب، ج۳۱، ص۵۳